اُمّی کا معنیٰ اور پیغمبرانہ شعور

ڈاکٹر نعیم احمد (شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب)

لفظ "امّی" کے بارے میں عربی زبان کے اندر کسی قسم کا ابہام نہیں پایا جاتا۔ "نبی امّی" کا مفہوم بہ طور "ان پڑھ" "UNLETTERED" یا "ILLITERATE" ہے۔ مخرج کے حوالے سے دیکھا جائے تو ام ماں ہے اور امّی وہ ہے جو پیدائشی حالت پر ہو۔ اس کا مطلب بھی یہی نکلتا ہے کہ امی وہ ہے جو لکھنے پڑھنے اور مکتبہ و مدرسہ سے نا آشنا ہو! کچھ لوگ مکے کے "ام القریٰ" ہونے کے حوالے سے امّی کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ اسے عربی زبان کی نکتہ آفرینی تو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "نبی امّی" کا مفہوم صرف "نبی مکی" ہے 'ان پڑھ نبی نہیں ہے۔

دور حاضر کا ایک عام آدمی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو "امّی" یعنی ان پڑھ کہنے سے ہچکچاتا ہے تو اس کی نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ اس نے علم اور پڑھنے لکھنے کے عمل کے مابین ایک مساوات وضع کر رکھی ہے۔ یعنی وہ علم کو پڑھنے لکھنے سے مشروط سمجھتا ہے۔ اور جب کسی کو ان پڑھ کہا جائے تو اس سے وہ مراد یہ لیتا ہے کہ اس آدمی کو علم سے کوئی علاقہ نہیں اور وہ جاہل 'گنوار' غیر مہذب' وحشی اور کندہ ناتراش وغیرہ ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو علم اور پڑھنے لکھنے کے مابین یہ مساوات قطعی غلط ہے۔ آج بھی ہمارے شہروں یا دیہات میں ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود انتہائی معاملہ فہم' زیرک' خوش اخلاق' شائستہ اور صائب الرائے ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جن کے بارے میں امام الہند ابو الکلام آزاد نے کہا تھا کہ "تعلیم کی پالش بھی ان کی اندرونی خباثت اور کمینگی کو نہیں چھپا سکتی!" چنانچہ ایک شخص پڑھا لکھا نہ ہونے کے باوجود مہذب' معاملہ فہم اور صائب الرائے ہو سکتا ہے۔ یہ تو ہماری روزمرہ کی زندگی کا ایک عام سا معاملہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

لیکن امّی ہونے کا مسئلہ اس وقت نہتائی عمیق اور عام انسان کے احاطہ ادراک سے ماوراء ہو جاتا ہے جب یہ کہا جائے کہ امّی ہونے کا معنی ان پڑھ ضرور ہے تاہم علم سے نابلد ' ہرگز نہیں۔ بلکہ قلب امّی تو علم و حکمت ' خیر و برکت اور جود و سخا کا ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سرچشمہ ہے۔ (یہاں میں نے دانستہ لفظ قلب ' استعمال کیا ہے ' ذہن ' نہیں۔ اس کی تصریح آگے چل کر آئے گی) یہاں آ کر ایک عام آدمی کا ذہن الجھ جاتا ہے اور وہ یہ سوال کرتا ہے کہ وہ شخص جسے ایک لفظ بھی نہ لکھنا آتا ہے اور نہ پڑھنا' کس طرح علم و حکمت کا مصدر و منبع بن سکتا ہے اور کس طرح وہ لوگوں کو "کتاب اور حکمت کی تعلیم" دے سکتا ہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ جو خود اپنا نام بھی نہ پڑھ سکے قوانین و دساتیر دینے والا اور اوامر و نواہی جاری کرنے والا بن جائے؟

اس مسئلے کو سمجھنا بہت آساں بھی ہے اور بہت مشکل بھی! آسان اس طرح ہے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ وحی الٰہی اصل منبع علم ہے اور اس کی ترسیل کے لئے کسی "نبی امّی" کی ضرورت ہوا کرتی تھی تاکہ یہ بعینہ لوگوں تک پہنچ جائے۔ نبی کے پڑھے لکھے ہونے سے یہ احتمال رہتا کہ اس میں اس کا ذہن اپنی طرف سے کچھ ترمیم و اضافہ کر دے! اسی لئے قرآن حکیم میں یہ کہا گیا کہ نبی کریمؐ اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر لوگوں تک نہیں پہنچاتے بلکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے۔ اور اس وحی کو بعینہ پہنچانے کا یہ انتظام ہوتا تھا کہ بوقت نزول وحی آسمانوں پر سخت پہرے لگا دیئے جاتے تاکہ شیاطین اس میں ردوبدل نہ کر سکیں۔ ایک طرف یہ اہتمام تھا تو دوسری طرف یہ ضروری سمجھا گیا کہ وہ ذہن جو کہ محل وحی ہے خارجی آلائشوں ' تہذیبی و ثقافتی اثرات اور درس و تدریس کی رنگ کاریوں سے یکسر پاک ہو۔ یعنی وہ ذہن ایک لوح غیر منقوش ہو تاکہ اس کے توسط سے وحی الٰہی کی ترسیل ہو سکے۔ لیکن شعور پیغمبر کی حیثیت پوسٹ آفس کی سی نہیں جہاں سے پیغامات و مکتوبات وصول ہو کر آگے بھیج دیئے جاتے ہیں۔ یعنی وحی الٰہی اور پیغمبر کے ذہن کا رابطہ میکانکی نہیں جس میں کہ صرف نزول و ابلاغ کا عمل جاری ہو۔ اس کے برعکس وحی الٰہی پیغمبر کی پوری جذباتی ' روحانی اور ذہنی زندگی میں رچ بس جاتی ہے اور پیغمبر کے شعور کے آفاق اتنے لامحدود ہو جاتے ہیں کہ عام آدمی ان کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہاں پیغمبر کے شعور کی نوعیت و ماہیت کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ "امی" کے مسئلہ کے اس رخ پر

"ایک ستارہ آنکھ کو اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ ایک سکہ اسے ڈھانپ سکتا ہے۔ لیکن عقل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ہماری زمین سے بھی بہت بڑا کرہ فلکی ہے۔ سائے کی حرکت کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن یہ درحقیقت متحرک ہوتا ہے۔ عقل حس کی فراہم کردہ اطلاعات کی تردید کرتی ہے۔ بظاہر محسوسات ومدرکات صحیح اور ناقابل تردید نظر آتے ہیں۔ لیکن حس سے بالاتر ایک قوت عقل ہے جو محسوسات ومدرکات کی نفی کر دیتی ہے۔ اب اس بات کا تردید کیسے ممکن ہے کہ عقل سے اوپر بھی ایک قوت ہے جس کی رو سے تصوّراتِ عقل کی نفی ہو جاتی ہے؟"

اگر غور کیا جائے تو اس کے اصل عمق کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

علمیات (EPISTEMOLOGY) کی تحقیقات کی رو سے حصول علم کی کئی شکلیں ور کئی ذرائع ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم صرف عقل کے تصورات سے حاصل ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو عقلیت پسند (RATIONALISTS) کہا جاتا ہے۔ بعض تجربہ کو ذریعۂ علم مانتے ہیں۔ یہ لوگ تجربیت پسند (EMPERICISTS) کہلاتے ہیں۔ کچھ لوگ نہ عقل کے تصورات اور نہ ہی تجربہ کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ ان سے حقیقت کا علم حاصل ہو سکے۔ یہ لوگ وجدان (INTUITION) کو حقیقت سے آگہی حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ وجدان انسانی شعور کی ایک ایسی حالت ہے جس میں عقل واحساس بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور انسان کو حقیقت کا علم کسی اور سطح پر ہوتا ہے۔ عقل وادراک کی نوعیت وماہیت ایسی نہیں کہ حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں۔ جو کوئی بھی بذریعہ وجدان حقیقت کی بارگاہ تک پہنچتا ہے وہ معقولات وتصورات اور محسوسات ومدرکات کے ذہنی سانچے کو توڑ کر وہاں پہنچتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عقل اور تجربہ شعور کی وجدانی کیفیت کی ضد ہیں تو بے جا نہ ہو گا۔ احساسات و تصورات کی نارسائی کو الغزالیؒ نے اپنی مشہور عالم کتاب "المنقذ من الضلال" میں بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

الغزالی تشکیک وتذبذب کے بحران طویل کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صوفیانہ واردات اور شعورِ نبوت عام شعوری کیفیات سے بلند تر شعوری کیفیت ہے۔ جو علم وفضل اور رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے۔ علامہ اقبال نے تشکیل جدید الہیات اسلامی

پہلے خطبے میں اس وارداتِ شعور سے تفصیلاً بحث کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ایک حقیقی شعوری کیفیت ہے جو کہ حس اور عقل سے مختلف ہے۔ اس شعوری کیفیت کو قرآن فواد یعنی قلب سے تعبیر کرتا ہے۔ (ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (۳۲: ۹) اس آیت کی رو سے جہاں خبر اور مشاہدہ (سمع و بصر) ذریعہ علم ہیں وہیں ایک ذریعہ علم فواد بھی ہے۔ علامہ لکھتے ہیں:

"قلب کو ایک قسم کا وجدان یا اندرونی بصیرت کہئے جس کی پرورش مولانا روم کے دلکش الفاظ میں نور آفتاب سے ہوتی ہے اور جس کی بدولت ہم حقیقتِ مطلقہ کے ان پہلوؤں سے اتصال پیدا کر لیتے ہیں جو ادراک بالحواس سے ماوراء ہیں۔ قرآن مجید کے نزدیک قلب کو قوت دید حاصل ہے اور اس کی اطلاعات، بشرطیکہ ان کی تعبیر صحت کے ساتھ کی جائے کبھی غلط نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی پراسرار قوت ہے۔ اسے دراصل حقیقت مکشفہ تک پہنچنے کا وہ ذریعہ ٹھہرانا چاہئے جس میں بہ اعتبار عضویات حواس کا مطلق دخل نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ اس طرح حصول علم کا جو ذریعہ پیدا ہوتا ہے، ایسا ہی قابل اعتماد ہو گا جیسے کسی دوسرے مشاہدے سے!"

(تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ترجمہ نذیر نیازی ص ۲۳)

ان وضاحتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وجدان، یا قرآن کی اصطلاح میں قلب، احساسات و تصورات سے بلند تر مخزن علم ہے۔ عقل تو بقول برگساں ایک ایسا آلہ ہے جو حیاتی عمل میں مادی ماحول کو بہتر طور پر سمجھنے اور اسے مسخر کرنے کے لئے معرض وجود میں آیا۔ حیات نے اپنے ارتقائی سفر میں مختلف افراد و انواع میں مختلف عضویتی تبدیلیاں پیدا کیں۔ پرندوں نے پر اور درندوں نے پنجے دانت اور کھال وغیرہ پیدا کر لئے تاکہ اپنے ماحول کے تقاضوں سے عہدہ بر آ ہو سکیں۔ بعینہ انسان میں عقل کی آفرینش بھی اسی اصول کے تحت ہوئی۔ عقل کا تعلق مادّہ کو سمجھنے اور اسے مسخر کرنے سے ہے۔ اس لئے یہ غیر مادی حقیقت کا احاطہ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔ حقیقت کو سمجھنے کے لئے قلب یا صوفیانہ وارداتِ شعور کی ضرورت ہے۔ اس صوفیانہ واردات کا بھی ایک وقوفی (COGNITIVE) پہلو ہوتا ہے۔ یہ

ایک گہرا داخلی اور روحانی تجربہ ہے جو اپنے نوعیت کے اعتبار سے منطقی فکر سے بالکل جدا ہے تاہم یہ کوئی منفعل حالت سکر نہیں بلکہ اس سے علم و عمل کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بطور خاص شروع سے خارجی تعلیمی و ثقافتی اثرات سے محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ ایام شیر خوارگی میں آغوشِ مادر چھن گئی۔ باپ کا سایہ تو پیدا ہونے سے پہلے اٹھ چکا تھا۔ ابتدائی دورِ رضاعت بادیہ میں حلیمہ سعدیہؓ کی تحویل میں گذرا۔ طبعی شرمیلے پن کی وجہ سے بچپن میں بھی دوسرے ہم جولیوں کے ساتھ زیادہ گھلے ملے نہیں۔ عرب کی سرزمین پر عکاظ کا میلہ ہی ایک ایسا سالانہ اجتماع تھا جس میں علم و فضل، شعر و ادب اور تہذیب و ثقافت کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ ایک دو دفعہ آنحضرتؐ نے بچپن میں وہاں جانے کا ارادہ بھی کیا تو انہیں نیند آگئی۔ اس طرح اس ثقافتی اجتماع کے اثرات سے بھی قلب نبیؐ محفوظ رہا۔ کم آمیزی اور خلوت نشینی کا یہ رجحان انہیں غار حرا کی تنہائیوں کی طرف لے گیا جہاں کچھ عرصہ انتظار کے بعد آپؐ کے قلب کو اس عجیب و غریب روحانی تجربے سے آشنا کیا گیا جس کی خاطر شروع سے ہی اسے خارجی اثرات سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ یہ روحانی تجربہ وحی ہے اور علم و حکمت کا منبع و مصدر ہے۔

اس تناظر میں آپؐ کا ان پڑھ ہونا کوئی عیب یا نقص نہیں بلکہ ایک ضرورت محسوس ہوتا ہے۔ اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو مغربی ناقدین کا یہ اعتراض درخور اعتناء سمجھا جاتا کہ اسلام اور قرآن دراصل آپؐ کے تخیل کے آفریدہ ہیں (نعوذ باللہ)

یہاں میں جس بات پر بطور خاص زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے اکثر صوفی شعراء نے (ان میں اقبال اور رومی بھی شامل ہیں) عقل کو اس کا اہل قرار نہیں دیا کہ وہ حقیقت تک رہنمائی کر سکے۔ ان کا اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان کو علوم عقلی سے منہ موڑ لینا چاہئے۔ ان کا مدّعا صرف یہ تھا کہ قلب کی نشوونما کے لئے عقل کا سہارا نہیں ڈھونڈنا چاہئے۔ انسان کی داخلی اور روحانی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ قلب کا راستہ اپنایا جائے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کے صوفی مسلک سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت نے عقل دشمنی کا وطیرہ اپنا لیا ہے جو کہ قوموں کی زندگی میں انتہائی خطرناک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کا داخلی اور روحانی پہلو بہت ضروری ہے۔ مغربی معاشرہ میں اس کا فقدان اور

صرف علوم عقلی کی ترویج کئی سماجی عیوب کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے۔ ہمارے معاشرہ میں داخلی اور روحانی پہلو پر زور تو دیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس رجحان کو پنپنے نہیں دینا چاہئے۔ کہ علوم عقلی فضول اور بے کار ہیں۔ عقل اور عقلی علوم کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ تاہم بعض ضمنی اثرات ایسے ہیں جو عقلی علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ ہو گا وہاں انسانی رشتوں میں مروت اور خلوص کم ہوتا جائے گا' مغائرت (ALIENATION) بڑھتی جائے' انسان کی تخلیقی صلاحیتیں لگے بندھے معمولات کی میکانکی گردش میں الجھ کر رہ جائیں گی اور مختلف النوع نفسیاتی عوارض کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ جہاں عقلی علوم کی ترویج پر بھرپور توجہ دی جائے وہاں فطرتِ انسانی کے داخلی اور روحانی پہلو کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

ایک بڑی غلط فہمی جو قلب کی نے علم کے منبع و مصدر ہونے کے حوالے سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ لوگ تمام علوم کو وحی الٰہی میں ڈھونڈنا شروع کر دیتے ہیں۔ وحی یا قرآن نے انسانوں کی روحانی' اخلاقی اور سماجی زندگی کے بارے میں راہنما اصول فراہم کئے ہیں جس کی لوگ بدلتے ہوئے زمانوں اور مختلف حالات و ظروف کے تحت تاویل و تشریح کر سکتے ہیں۔ تاہم مذہب انسان کا ایک رویہ بناتا ہے جس کے حوالے سے وہ تسخیر کائنات کا بیڑا اٹھا سکتا ہے' سائنس اور ٹیکنالوجی کے نئے افق دریافت کر سکتا ہے' نئے زمانوں کے نئے مسائل کے حل تلاش کرنے کی سعی و جہد کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ سوچے کہ طبیعات' علم ہندسہ' کمپیوٹر سائنس اور دیگر علوم کو وحی الٰہی میں تلاش کیا جائے تو یہ یقیناً بہت بڑی نادانی ہے!

نشر القرآن کیسٹ سیریز
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور
دین کے نہایت اہم اور بنیادی موضوع
حقیقت و اقسام شرک پر ڈاکٹر اسرار احمد
کے ایک ایک گھنٹے کے چھ لیکچرز جو C-60 کے چھ کیسٹوں میں دستیاب ہیں
ہدیہ پاکستانی کیسٹ -/۱۰۰ روپے (جاپانی کیسٹ) -/۱۹۰ روپے مع محصولڈاک
تین سو سے زائد عنوانات پر مشتمل فہرست جمع شدہ موجود ہے۔ خط لکھ کر طلب فرمائیں